مرگِ ترحّم کے تناظر میں امام غزالی کے خیالات کا تطبیقی مطالعہ

Mercy Killing: Application of Imām Ghazālī's Viewpoint

پروفیسر ڈاکٹر نیاز محمد*

پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز**

Abstract

Euthanasia or Mercy Killing (Qatl al-marḥamah) is the act or practice of ending the life of an individual suffering from a terminal illness or an incurable condition, through lethal injection or the suspension of extraordinary medical treatment. Its known types are: Active Euthanasia (a doctor provides a patient with medicine that will kill them), Passive Euthanasia (a doctor discontinues a patient's treatment, resulting in death), Voluntary Euthanasia (patient gives consent to undergo Euthanasia) and Involuntary Euthanasia (relatives use best judgement to put a patient to death when they're unable). The present article is an attempt to elaborate Ghazali's views on the subject. He has quoted examples of some great Muslim personalities who trusting in God's plan (tawakkul) had given up medication in certain conditions submitting themselves entirely to His will. Thus validity of passive euthanasia can be derived from such practices to some extent. Sharp difference between the two situations however is that in one situation the patient intends to take his life directly or indirectly, while in the second situation a patientgives up medication with having firm belief in his Creator. He does not intend to take his life but rather submits himself to His will.

Keywords: Active Euthanasia, Passive Euthanasia, Ghazālī's stand on the issue of Euthanasia

زمانے میں کسی چیز اور حالت کو ثبات حاصل نہیں، اگر حاصل ہے تو وہ فقط تغیّر کو ہے، اِسی تغیّر و تبدّل کے نتیجے میں ہر زمانے میں مختلف قسم کے نت نئے احوال اور پیچیدہ مسائل سامنے آتے رہے ہیں، تاہم موجودہ دور میں تو تغیّر کی رفتار ماضی کے مقابلے میں حیرت انگیز طور پر کچھ زیادہ ہی تیز ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف حالات و واقعات صورت بدل بدل کر سامنے آ رہے ہیں بلکہ کائنات کی ہر ہر اکائی میں پنہاں کئی ایک نئے عالم بھی منکشف ہو رہے ہیں۔

اس تغیّر پذیر دنیا کے طبی مسائل میں سے اہم مسئلہ نئے نئے امراض اور پھر ان سے نمٹنے کے نئے تصورات و تعامل کا انکشاف بھی ہے، چنانچہ آئے دن کئی ایسے بیماروں کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر انہیں لاعلاج قرار دیدیتے ہیں، ہر آنے والا دن ایسے مریضوں کے لئے اپنے دامن میں تکالیف و مصائب کو بڑھانے کا ہی سامان لاتا ہے، مریض سسک سسک کر جیتا ہے، بلکہ جیتا ہے نہ مرتا ہے۔ عزیز و رشتہ دار اپنی جمع پونجی ختم بھی کر ڈالتے ہیں مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق صحت کا دور دور تک نام و نشان نظر نہیں آتا، نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ ڈاکٹر اور ورثاء کی نظر میں مریض کے ساتھ شفقت و مہربانی یہ ہے کہ وہ زندگی کی اس اذیت ناک قید سے کسی طرح آزاد ہو کیونکہ ایسی حالت میں موت ہی اس کی بہترین شفا و علاج ہے۔ بعض دفعہ مشاہدہ بھی ہوتا ہے کہ دبی دبی زبان میں بہ طریقِ کنایہ قریبی رشتہ دار مریض کے موت کی تمنا ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ یا اللہ! اس بے چارے مریض

---

*پروفیسر علومِ اسلامیہ، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان۔

**سابق ڈین فیکلٹی علوم اسلامیہ والسنہ شرقیہ، جامعہ پشاور۔

کو ان تکالیف سے نجات دے، یہاں سے Euthanasia یا Mercy killing کا معاصر تصور سامنے آتا ہے۔ زیر نظر مضمون اس موضوع پر درج ذیل عنوانات کے تحت بحث کی گئی ہے:

مبحثِ اول: مرگ ترحم کا مفہوم اور مفروضاتِ بحث:

مبحثِ دوم: مفروضات کا نقد

مبحثِ سوم: مسئلہ زیر بحث میں امام غزالیؒ کے خیالات کا جائزہ

خلاصہ بحث

مبحثِ اول: مرگ ترحم کا مفہوم اور مفروضاتِ بحث:

طبی دنیا میں مرگ ترحم کے لئے Euthanasia کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اردو میں اس انگریزی لفظ کے کئی معانی لئے جاتے ہیں مثلاً قتل بہ جذبہ رحم، قتل بہ دافع شفقت، رحم دلانہ موت وغیرہ۔ بعض اوقات انگریزی زبان میں اس کے لئے Mercy killing یا Physical Assisted Suicide کا عنوان بھی دیا جاتا ہے۔ عملیت کے اعتبار سے Euthanasia (مرگ بہ جذبہ رحم) کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی طویل بیماری یا طویل بے ہوشی میں مبتلا ہو جائے اور وہ سخت درد و تکلیف میں ہو، ڈاکٹروں نے بھی اس کو لاعلاج قرار دیا ہو اور اس کی زندگی کی کوئی امید باقی نہ ہو، ہر طرح کی دوا اور احتیاطی تدابیر کے باوجود تکلیف کے ازالہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو تو ایسی صورت میں مریض کو انجکشن یا تیز دوائی دے دی جائے، جس سے مریض کا سانس رک جائے اور وہ آسانی سے موت کی آغوش میں چلا جائے، اس کو Active Euthanasia (رحم دلانہ موت مبنی بر عملیت) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[1]۔

اگر ایسے لاعلاج مریض کو تکلیف دہ زندگی سے نجات کی کوئی عملی ترکیب نہ کی جائے، بلکہ مریض کو زندہ رہنے کے لئے جو دوائیں دی جاتی ہیں ان کے استعمال کو روک لیا جائے، یا جن آلات کے ذریعے مصنوعی عمل تنفس کی مدد سے مریض کی زندگی کو طول دیا جا رہا ہو، ان آلات کو ہٹا دیا جائے تاکہ مریض اپنی موت آپ مر جائے تو اس کو Passive Euthanasia (عدم عملیت پر مبنی رحم دلانہ موت) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[2]۔ اس قسم کے مریضوں کے ساتھ طبی اعتبار سے کیا برتاؤ اختیار کیا جائے، اس سلسلے میں درج ذیل مفروضات پیش کئے جاسکتے ہیں:

مفروضہ اول: ایک مریض جو ناقابل علاج ہو اور تکلیف نے اس کی زندگی کو اُس کے لئے نہ صرف مشکل بلکہ عذاب بنا دی ہو تو ایسا مریض ہماری ہمدردی کے لائق ہے، ایسا مریض نہ صرف خود عذاب میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ کبھی کبھی اپنے خاندان والوں کو بھی مالی طور پر کنگال کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس مریض کے ساتھ حقیقی ہمدردی یہ ہے کہ اس کے حق میں اذیت ناک زندگی کی بجائے موت کا فیصلہ کر لیا جائے تاکہ مریض کو تکالیف اور اس کے متعلقین کو پریشانی سے نجات مل جائے- حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ مسلمان کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ زندگی کے مصائب و مسائل سے تنگ آکر خودکشی کا عمل کرے لیکن بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کے مطابق کسی انسان کے لیے تمام تر دنیاوی تکالیف سے خلاصی کا بہترین راستہ موت ہی قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کی ایک دعا کے الفاظ ہیں: اجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ[3] (میرے لیے موت کو ہر شر سے ذریعہ راحت بنا دے)۔

مفروضہ دوم: مرض کی صورت میں اسلام میں علاج معالجہ کا حکم ہے، علاج سنت رسول ہے اور مرگ بہ جذبہ رحم کی ہر صورت انسانی قتل ہے جس کی کسی حال میں اجازت نہیں دی جانی چاہیے اور حصولِ صحت کے لئے آخر دم تک علاج کا عمل جاری رکھنا چاہیے۔

مفروضہ سوم: عالم اسلام کے عظیم مفکر امام غزالیؒ (متوفی: 505ھ)[4] کی توجیہات سے مسئلہ زیر بحث میں کافی حد تک معتدل اور اوسط پہلو سامنے آتا ہے اور Passive Euthanasia (مرگ بہ جذبہ رحم) کے لئے تائیدی مواد ملتا ہے تاہم اسے مرگ بہ جذبہ رحم کی بجائے رضا بر قضا یا خود سپردگی کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔

آئندہ آنے والے مباحث کے تحت مذکورہ مفروضات کی توثیق اور نقد پیش کیا جاتا ہے۔

مبحث دوم: مفروضات کا نقد:

مفروضہ اول و دوم

مفروضہ اول و دوم کو دیکھا جائے تو یہ دونوں ایک دوسرے کے قطعی متضاد افکار ہیں اور دونوں مفروضوں کا تعلق انسانی قتل سے ہے اس لئے ان دونوں آراء کا ذیل میں ایک ساتھ ادبِ دینی کے تناظر میں جائزہ لیتے ہیں۔

شریعت اسلامی کے مطابق زندگی اللہ تعالی کی طرف سے ایک عظیم عطیہ ہے بلکہ انسان کی جان اس کے پاس اللہ کی امانت ہے اس لئے اسے اپنی جان میں کسی ایسے تصرف کی اجازت نہیں کہ جس سے اس کا ضیاع ہو چنانچہ جس طرح اس کے لیے یہ درست نہیں وہ کسی دوسرے کو ہلاک کردے، اسی طرح یہ بات بھی روا نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کرلے یا کسی اور کو اپنے قتل کی اجازت دے۔ اس کا جسم اس کے ہاتھوں میں اللہ تعالی کی ایسی امانت ہے جس کی حفاظت بہر حال اس کا فرض ہے اور جس کے استعمال کا اس کو صرف اللہ کے حکم کے مطابق کرنے کی اجازت ہے۔

اسلامی شریعت میں انسانی جان کی بہت قدر و قیمت ہے اور اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی بھی ناحق صورت میں انسانی جان کے تلف نہ کرنے کا حکم ہے اس بارے میں ارشاد ربانی ہے:

''وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ''[5]

''اور اپنے آپ کو قتل مت کرو''

نیز ارشاد ہے:

''وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ''[6]

''اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو''

اسلام میں یہ کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے کہ مصائب اور مشکلات میں دوچار ہونے کے وقت انسان کو خودکشی کی اجازت دے دی جائے، شریعت کی نگاہ میں اس طرح کرنا گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا ہے۔ اس بارے میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: "الكَبَائِرُ: الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَاليَمِينُ الغَمُوسُ"[7] (اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی نفس کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہوں میں سے ہیں)۔

روایات میں آیا ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر ایک شخص جو مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہا تھا، بڑی بہادری دکھا رہا تھا، جس سے وہ تحسین و تعریف کا مستحق ٹھہرا مگر آخر میں اس نے اپنے زخموں کی تکالیف کو ناقابل برداشت جان کر اپنی تلوار سے خودکشی کرلی جس کی وجہ سے اسے جہنمی ٹھہرایا گیا اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

''إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الجَنَّةِ، فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ

لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ، فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ''[8]

''لوگوں کے نظر میں ایک آدمی بہشت والوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور ایک آدمی دوزخ والوں کے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے''

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ شَرِبَ سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا''[9]

''جو شخص اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے قتل کرلے تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، اس کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور جو شخص زہر پی کر اپنی جان لے لے تو وہ اسی زہر کو چوسا کرے گا، اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور جو شخص پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو مار ڈالے تو وہ ہمیشہ گرا کرے گا جہنم کی آگ میں، ہمیشہ اس کا یہ حال رہے گا''۔

اسی طرح حضرت جندب بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ نے درج ذیل حدیث نقل کی ہے:

''كَانَ بِرَجُلٍ جِرَاحٌ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَقَالَ اللَّهُ: بَدَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الجَنَّةَ''[10]

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اُسے زخم لگا، اس نے اپنے آپ کو خود مار ڈالا، اس پر اللہ تعالی نے فرمایا کہ میرے بندے نے جلدی کی، قبل اس کے کہ میں اس کی روح کو قبض کرتا، اس نے خود ہی اپنے آپ کو ختم کرلیا لہذا میں نے اس کے لئے جنت حرام کردی''

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو جب ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے خودکشی کی ہے تو آپ سخت ناراض ہوگئے، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے تیر سے اپنا گلا کاٹ کر خودکشی کی، جب حضور ﷺ کو اس صورت حال کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا:

''إذالا أصلي عـليه''[11]

''میں اس پر نمازہ جنازہ نہیں پڑھوں گا''

اسلام نے قتل تو درکنار، اپنے موت کی تمنا کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، اس بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نبی ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''لاَ يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ المَوْتَ: إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا، وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَوتِبَ''[12]

''تم میں سے کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے اس لئے کہ اگر وہ نیک ہے تو امید ہے کہ زندگی میں مزید نیکیاں کرے اور اگر گناہنگار ہو تو ہوسکتا ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کرلے''۔

ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ، وَلَا يَدْعُ بِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُ، إِنَّهُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ، وَإِنَّهُ لَا

يَزِيدُ الْمُؤْمِنَ عُمْرُهُ إِلَّا خَيْرًا''[13]

''تم میں سے کوئی بھی شخص موت کی ہر گز تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کے لئے دعا کرے، اس لیے کہ جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کا عمل بھی ختم ہو جاتا ہے- مومن کے لئے تو اس کی عمر خیر اور بھلائی ہی میں اضافہ کرتی ہے''۔

جہاں تک کچھ بیماریوں کو لا علاج قرار دینے کی بات ہے تو آپ ﷺ کو بھی اس بات کا اندازہ تھا کہ بعض بیماریاں ایسی ہیں جن کا علاج تاحال دریافت طلب ہے، لہذا آپ ﷺ نے لوگوں کو اس بارے میں کوشش کرنے کی ترغیب دی تا کہ لوگ تحقیق و جستجو کے نتیجے میں لاعلاج امراض کے علاج تک رسائی حاصل کریں۔ اس بارے میں اسامہ ابن شریک نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے:

''لم ينزلِ الله داءً أولم يخلق إلاوقد أنزل معه شفاء، وَجهله مَن جهله وعَلِمه مَن عَلِمه''[14]

'' اللہ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر یہ اس کی شفا بھی اتاری ہے، جاننے والا اسے جانتا ہے، نہیں جاننے والا نہیں جانتا''

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نت نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں، پہلے زمانے میں وہ طبی سہولیات موجود نہ تھیں جو آج کے زمانے میں موجود ہیں اور اس میں آئندہ بھی ترقی ہوتی رہے گی۔ اس بارے میں علامہ ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں:

''وفی قوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لكل داء دواء" تقويةُ لنفس المريض والطبيب، وحثُّ على طلب ذلك الدوا والتفتيش عليه''[15]

''نبی کے فرمان "ہر بیماری، کے لئے ایک دوا ہے" میں مریض کی اور طبیب کی ڈھارس بندھائی گئی ہے (کہ کہیں وہ مایوس نہ ہوں) اور اس حدیث میں دوا کی طلب و جستجو پر طبیب و مریض دونوں کو ابھارا گیا ہے''

یہ حدیث تمام انسانیت کو ہر بیماری کے علاج کے باب میں تسلسل کے ساتھ تحقیق کے عمل کو جاری رکھنے پر آمادہ کرتی ہے، کسی بیماری کو لا علاج کہنا دراصل تحقیق اور تنقیح کے اصول کی نفی کرنے کے مترادف ہے بلکہ اپنی تحقیق اور کاوش سے کسی مرض کا علاج دریافت نہ کر پانا اور اس مرض ہی کو نا قابلِ علاج قرار دے دینا قرین قیاس نہیں۔

اگر مذکورہ بیانات کا ما حاصل بیان کیا جائے تو اسے "اسلام اور مشکلاتِ حیات" کے مصنف مولانا سید جلال الدین عمری کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ:

''زندگی اللہ تعالی کی امانت ہے، جہاں تک ہو سکے اس کی حفاظت ہونی چاہیے- موت وحیات اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے اس لیے آدمی کو مایوس نہیں ہونا چاہیے اور حسب استطاعت علاج جاری رکھنا چاہیے۔ مرض کا علاج رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ زندگی کے آخری لمحات میں بھی صحابہ کرام نے علاج کرایا ہے''

بعض اوقات مریض کی زندگی بہ ظاہر ختم ہو جاتی ہے اور اسے مصنوعی طور پر مشینوں اور دواؤں کے ذریعے زندہ رکھنے کی کوشش ہوتی ہے- کیا رشتہ داروں اور ڈاکٹروں کو اس کا حق ہے کہ وہ یہ مصنوعی تدبیریں ختم کر دیں تا کہ جلد اس کا رشتہ حیات ٹوٹ جائے اور وہ تکلیف سے نجات پا جائے- کیا یہ قتل نفس ہے یا مریض کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ معالج یا رشتہ دار کی ذمہ داری ہے کہ زندگی کی ایک رمق بھی اگر باقی ہے تو مریض کو موت سے قریب کرنے کی بجائے اسے زندہ رکھنے کی کوشش کریں- کسی معالج یا عزیز کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ مریض کی زندگی ختم کرنے کی تدبیر کرے[16]۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے مطابق شریعت اسلامی میں انسانی جان کی حتی المقدور حفاظت خود اس شخص کا اور دوسروں کا فرض ہے، اس وجہ سے کسی مریض کو شدید تکلیف سے بچانے کے لئے یا اس کے متعلقین کو علاج اور تیمارداری کی زحمت سے بچانے کے لئے عمداً ایسی تدبیر کرنا جس سے اس کی زندگی ختم ہو جائے حرام اور قتلِ نفس میں شامل ہے۔ مریض کو گو مہلک دوا نہ دی جائے مگر طاقت رکھنے کے باوجود اس کا علاج ترک کر دیا جائے، تاکہ اس کا موت واقع ہو جائے یہ بھی جائز نہیں۔[17]

قرآن وحدیث کے نصوص کے بعد عصر حاضر کے علماء کرام کے آراء کی مذکورہ بالا نمائندہ بیانات توضیحات قرار دی جاسکتی ہیں اِن کی روشنی میں پہلے مفروضے کی علی الاطلاق توثیق نہیں کی جاسکتی اور نہ اِس مفروضے کو شرعی نقطہ ءنگاہ سے قابل قبول قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ مفروضہ دوم کی تائید ہوتی ہے کہ مرض کی صورت میں اسلام میں علاج معالجہ کا حکم ہے، علاج سنت رسول ہے اور مرگ بہ جذبہ رحم کی ہر صورت قتلِ انسانی ہے جس کی کسی حال میں اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔

مفروضہ سوم:

مفروضہ سوم: عالم اسلام کے عظیم مفکر امام غزالیؒ کی توجیہات سے مسئلہ زیر بحث میں کافی حد تک معتدل اور اوسط پہلو سامنے آتا ہے اور Passive Euthanasia (مرگ بہ جذبہ رحم) کے لئے تائیدی مواد ملتا ہے تاہم اسے مرگ بہ جذبہ رحم کے بجائے رضا بر قضا یا خود سپردگی کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں امام غزالی کے خیالات سے استفادہ سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علاج معالجہ کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اس کے نتیجے میں فقہائے کرام کی آراء ذکر کی جائیں، چنانچہ ذیل میں علاج کے بارے میں فقہاء کے خیالات پیش کئے جاتے ہیں:

پہلی رائے: علاج واجب عمل ہے:

علاج کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ بیماری کی صورت میں علاج کروانا واجب ہے۔ یہ کچھ شوافع حضرات کا قول ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی جاتی ہے[18]۔

علاج معالجہ کو واجب قرار دینے کے حق میں وہ تمام احادیثِ مبارکہ پیش کی جاتی ہیں جن میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو علاج کروانے کا حکم دیا، جیسا کہ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث: "تداووا عباد الله، فإن الله سبحانه لم يضع داءً إلا وضع معه شفاء، إلا الهَرَم"[19] (اللہ کے بندو! علاج کیا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں بنائی جس کے لئے شفا نہ پیدا کی ہو، سوائے بڑھاپے کے)۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

"تداووا ولا تداووا بحرام"[20]

"تم علاج کیا کرو اور حرام چیزوں سے علاج نہ کیا کرو"

اور اس کے علاوہ وہ تمام احادیث جن میں امر کے صیغہ کے ساتھ علاج کا حکم موجود ہے، امر کا صیغہ وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا کسی بھی بیماری کی صورت میں علاج معالجہ واجب قرار دیا جائے گا۔

دوسری رائے: علاج مباح عمل ہے:

احنافؒ [21] اور مالکیہؒ [22] علاج معالجہ کو مباح کہتے ہیں۔ یعنی بیماری کی صورت میں علاج کرنا واجب عمل نہیں بلکہ اباحت (جواز) کے درجے میں ہے۔ اس نظریہ کے حامل فقہاء کرام حضرات نبی پاک کے قبل ازیں ذکر کردہ ارشادات ہی سے استدلال فرماتے ہیں۔ اسی طرح درج ذیل کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا:

''تداووا عباد الله، فإن الله سبحانه لم يضع داءً إلا وضع معه شفاء '' [23]

''اللہ کے بندو! علاج معالجہ کرایا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اس کے ساتھ ہی اُس کی دوا بھی پیدا کی ہے''

آپ ﷺ کے فرمان '' تداووا عباد الله '' سے علاج معالجہ کو مباح قرار دینے کے لئے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ قانون ہے کہ "أقل درجات الأمر الإباحة ''(یعنی کسی بھی کام کرنے کے حکم کا سب سے ادنیٰ درجہ اباحت ہوتا ہے) اس لئے اس حدیث پاک سے صیغہ امر کا یقینی مقتضیٰ کم از کم اباحت معلوم ہوتا ہے۔ علامہ خطابیؒ (المتوفی:388ھ۔) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''في هذا الحديث إثبات الطب والعلاج، وأن التداوي مباح، غير مكروه كما ذهب إليه بعض الناس''[24]

''اس حدیث سے طب اور علاج کروانے کا اثبات معلوم ہوتا ہے نیز علاج معالجہ کا مباح ہونا معلوم ہوتا ہے اور مکروہ نہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کی رائے ہے''

اسی طرح علاج معالجہ کو محض مباح قرار دینے کے لئے اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کے مطابق حضور ﷺ سے دو آدمیوں نے ایک بیماری کا علاج کروانے کے بعد سوال کیا: ''أوَ في الطب خيرٌ يا رسول الله؟ (کیا علاج میں کوئی بھلائی موجود ہے؟) تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: أنزل الدواءَ الذي أنزل الداءَ [25] (دوا بھی اسی اللہ نے نازل کی ہے جس نے بیماری نازل کی ہے)۔

علامہ ابن البرؒ (المتوفی:463ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''في هذا الحديث إباحة التعالج لأن رسول الله ﷺ لم ينكر ذلك عليهم''[26]

''اس حدیث میں علاج کی اباحت ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں اشخاص پر علاج کروانے کے بارے میں کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا''

تیسری رائے: علاج مستحب عمل ہے:

فقہائے کرام کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ بیماری کی صورت میں علاج کروانا محض مستحب عمل ہے، یہ قول شوافع کی طرف منسوب ہے [27]۔

ان حضرات کا بیماری کی صورت میں علاج کو واجب کی بجائے ایک استحبابی عمل قرار دینے کے دلائل وہی ہیں جن کا پہلے ذکر ہوا جن میں آپ ﷺ نے علاج کرانے کا حکم دیا یا وہ روایت جن کے مطابق خود آپ ﷺ نے علاج کروایا، ان فقہاء کرام کے مطابق یہ تمام احادیث علاج کے استحباب اور طلب پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ علامہ ابن القیمؒ (المتوفی:751ھ) فرماتے ہیں:

''وفي قوله ﷺ: (لكل داء دواء) تقوية لنفس المريض والطبيب، وحث على طلب ذلك الدواء، والتفتيش عليه''[28]

''آپ ﷺ کے قول (لكل داء دواء) میں مریض اور معالج دونوں کے لئے تائید موجود ہے، اوراس بات پر ابھارا کیا گیا ہے کہ دوا کی طلب کے ساتھ ساتھ اس کی جستجو کی بھی جائے''۔

چوتھی رائے: علاج اگرچہ جائز عمل ہے مگر ترک علاج اولیٰ ہے:

علاج معالجہ کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ اگرچہ بیماری کی صورت میں علاج کرنا جائز عمل ہے تاہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے علاج چھوڑ دینا بہتر ہے۔ یہ رائے حنابلہؒ اور ایک قول کے مطابق امام احمدؒ کی طرف منسوب ہے۔[29] اسلام کی تاریخ میں ایسے حضرات کی ایک بڑی تعداد ملتی ہے جو علم و فضل اور تقویٰ و پرہیز گاری میں اپنا ایک مقام و مرتبہ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ علاج کو ترک کرنا ہی بہتر سمجھتے تھے اور "رضا بالقضاء" کا عملی نمونہ بن جاتے تھے جیسا کہ امام ابن تیمیہ (متوفی:728ھ)ؒ بھی کم و بیش یہی فرماتے ہیں:

''كان كثير من أهل الفضل والمعرفة، يفضل تركه تفضلاً، واختياراً لما اختار الله، ورضى به،وتسليماً به، وهذا المنصوص عن أحمد ''[30]

''اہل فضل و معرفت میں سے ایک بڑی جماعت نے اللہ کے طے کردہ کو اپنانے اور اس پر تسلیم و رضا کے اظہار کی بنیاد پر ترک علاج کو بہتر سمجھا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ سے ایسا ہی منقول ہے''۔

ایک اور مقام پر ابن تیمیہ رقم طراز ہیں:

''إن خلقاً من الصحابة والتابعين، لم يكونوا يتداوون، بل فيهم من اختار المرض كأبي بن كعب وأبي ذر، ومع هذا فلم ينكر عليهم ترك التداوي۔ ''[31]

''صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد علاج نہیں کرتی تھی بلکہ انہوں نے (طلبِ صحت کے مقابلے میں) بیماری کو اختیار کیا جیسا کہ ابی بن کعب اور ابوذر غفاریؓ، لیکن کسی نے بھی ان کے علاج معالجہ کو نہ اپنانے پر نکیر نہیں فرمائی''

اللہ کی ذات پر اور اس کے فیصلوں کو دل و جان سے قبول کرتے ہوئے رضا بر قضا کا علمی مظاہرہ کرتے ہوئے بیماری کو امرِ خداوندی سمجھ کر قبول کرنے اور علاج ترک کو اختیار کرنے کے سلسلے میں ان حضرات کا مستدل صحیحین کی وہ طویل حدیث بھی ہے جس میں ایک گروہ کے بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے، ان کی علامات کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''هم الذين لا يكتوون، ولا يسترقون، ولا يتطيرون، وعلى ربهم يتوكلون''[32]

''جو لوگ حساب کتاب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جو (دنیا میں) بیماری کی صورت میں نہ جھاڑ پھونک کرتے تھے، نہ بغرض علاج آگ سے داغتے اور نہ ہی تعویذ وغیرہ کرتے بلکہ وہ اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے''۔

توکل کی بنیاد پر ترکِ علاج کے اجازت کی ایک دلیل حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیحین کی وہ حدیث بھی ہے جس میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے جس نے آپ ﷺ سے اپنی بیماری کو دور کرنے کے لئے دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ جواب میں فرمایا:

''إن شئتِ صَبَرْتِ ولك الجنة، وإن شئتِ دعوت اللهَ أن يعافيك''[33]

''اگر تُو چاہے تو صبر کر لے (تو اس کا بدلہ) تیرے لئے جنت ہے، اور اگر تُو چاہتی ہے تو میں اللہ سے دعا کروں کہ وہ تجھے (اس بیماری) سے نجات دے۔''

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''فيه دليل على جواز ترك التداوي''[34]

''اس قول میں علاج معالجہ کے ترک کے جائز ہونے کی دلیل ہے''

نیز علامہ شوکانیؒ (المتوفی: 1250ھ) نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:

''وفيه أن الصبر على بلايا الدنيا يورث الجنة، وأن الأخذ بالشدة أفضل من الأخذ بالرخصة لمن علم من نفسه الطاقة ولم يضعف عن التزام الشدة.وفيه دليل على جواز ترك التداوي وأن التداوي بالدعاء مع الالتجاء إلى الله أنجع وأنفع من العلاج بالعقاقير''[35]

''اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ دنیاوی مصائب پر صبر جنت کا ذریعہ ہے، اور یہ کہ سختی برداشت کر لینا اس کو دور کرنے سے زیادہ افضل ہے لیکن یہ اس آدمی کے لئے ہے جس کو اپنی جسمانی طاقت کا علم ہو اور وہ مصیبت برداشت بھی کر سکتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی دلیل موجود ہے کہ علاج کا ترک جائز امر ہے، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دعا کے ذریعے علاج دوا کے ذریعے علاج سے زیادہ فائدہ مند ہے۔''

مبحث سوم: مسئلہ زیر بحث میں امام غزالیؒ کے خیالات کا جائزہ:

مسئلہ زیر بحث میں امام غزالیؒ کا علاج معالجہ کے بارے میں خیالات سے استفادہ کے لئے اُن کے پیش کردہ دو بنیادوں (فلسفہ توکل اور فلسفہ اسباب) کا ذکر ضروری ہے۔

الف: امام غزالی کا فلسفہ توکل:

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین کے کتاب التوحید و التوکل میں توکل کی تعریف، قرآن و حدیث میں اس کے فضائل اور بزرگانِ دین کے توکل کے واقعات اور اس سلسلے میں اپنی توجیہات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ آپ توکل کو توحید کی بنیاد قرار دیتے ہوئے توحید کے درج ذیل چار مرتبے بتاتے ہیں۔

پہلا مرتبہ: محض زبان سے لا اِلٰہ اِلا اللہ کہنا

دوسرا مرتبہ: زبان کے اقرار کے ساتھ ساتھ دل کا بھی اس معنی کی تصدیق کرنا

توحید کا تیسرا مرتبہ: انسان پر نورِ حق کے ذریعے اس کلمے کے معنی منکشف ہوں اور گو کہ وہ کثرتِ اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے لیکن اُن سب کا اصل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو جانے یعنی کثرت میں وحدت پر نگاہ ہو۔

توحید کا چوتھا مرتبہ: بندہ ہر چیز میں صرف اُسی ذات واحد کی وجود کا مشاہدہ کرے، اللہ تعالیٰ کے سوا اُسے کوئی دوسرا وجود نظر نہ آئے بلکہ تمام اشیاء میں صرف اُسی کا وجود نظر آئے۔[36]

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ توکل کا مقام توحید کے پہلے دو درجات سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اظہارِ توحید کا مذکورہ پہلا مرتبہ تو منافقین کا ہے جب کہ دوسرا مرتبہ عام مسلمانوں کا ہے بلکہ توکل کی ابتداء توحید کے تیسرے مقام سے ہوتی ہے۔ توکل کا یہ مقام حاصل ہونے کے بعد مومن کی جو شان ہوتی ہے، اس کا اظہار امام غزالی درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

''وإذا انكشف لك هذا لم تنظر إلى غيره، بل كان منه خوفك، وإليه رجاؤك، وبه ثقتك، وعليه اتكالك، فإنه الفاعل على الانفراد دون غيره، وما سواه مسخرون، لا استقلال لهم بتحريك ذرة من ملكوت السموات والأرض''[37]

''اگر تم پر یہ امر منکشف ہو جائے تو پھر تم اللہ کے سوا کسی کی طرف نہیں دیکھو گے، اُسی سے ڈرو گے، اسی سے امید رکھو گے، اسی پر اعتماد کرو گے، اسی پر بھروسہ رکھو گے اس لئے کہ وہ فاعل ہے، وہی مبدع اور موجد ہے، اس کے سوا تمام موجودات مسخّر ہیں۔ ان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنے خالق کی مرضی زمین و آسمان کے ملکوت میں ایک حقیر ذرہ کو بھی حرکت دے سکیں''۔

توکل کے تناظر میں خیر و شر اور تکلیف وراحت وغیرہ کے بارے میں حاصل کلام کے طور پر فرماتے ہیں:

''والحاصل أن الخير والشر مقضي به، وقد كان ما قضى به واجب الحصول بعد سبق المشيئة، فلا راد لحكمه ولا معقب لقضائه وأمره، بل كل صغير وكبير مستطر، وحصوله بقدر معلوم منتظر، وما أصابك لم يكن ليخطئك، وما أخطأك لم يكن ليصيبك''[38]

''حاصل گفتگو یہ ہے کہ خیر و شر دونوں کا فیصلہ ازل میں ہو چکا ہے، اور جن چیزوں کا فیصلہ ہو جاتا ہے وہ ہر حال میں واقع ہوتی ہیں لہٰذا اس کے حکم کو کوئی ماننے والا نہیں نہ ہی کوئی اسے مٹا سکتا ہے، دنیا میں جتنی بھی چیزیں واقع ہوں گی، یا ہو چکی ہیں خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی، سب تحریر کی قید میں ہیں، ہر چیز اپنی مدت متعینہ پر واقع ہو گی، ہر واقعہ اپنی مدت کا منتظر ہے۔ جو چیز تجھے پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کر رہے گی، اور جو چیز تجھے ملنے والی نہیں وہ کسی حال میں نہیں ملے گی۔''

توکل پر بحث کرتے ہوئے امام غزالیؒ نے کئی متوکلین کا بیماری کے دوران علاج معالجہ کی بجائے ترک علاج کو اختیار کرنے کا درج ذیل الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

''اعلم أن الذين تداووا من السلف لا ينحصرون ولكن قد ترك التداوي أيضاً جماعة من الأكابر، فربما يظن أن ذلك نقصان لأنه لو كان كمالاً لتركه رسول الله ﷺ إذ لا يكون حال غيره في التوكل أكمل من حاله- وقد رُوِيَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عنه أنه قيل له: لو دعونا لك طبيباً، فقال: الطبيب قد نظر إلي وقال: إني فعال لما أريد''

وقيل لأبي الدرداء في مرضه: ما تشتكي، قال: ذنوبي قيل فما تشتهي، قال: مغفرة ربي، قالوا: ألا ندعو لك طبيباً، قال: الطبيب أمرضني وقيل لأبي ذر وقد رمدت عيناه: لو داويتهما، قال: إني عنهما مشغول، فقيل: لو سألت الله تعالى أن يعافيك، فقال: أسأله فيما هو أهم علي منهما''[39]

''جان لیں کہ سلف صالحین میں سے بے شمار افراد نے دواؤں کے ذریعے اپنے امراض کا علاج کیا ہے لیکن اکابرین

سلف میں ایسی بھی ایک جماعت رہی ہے جنہوں نے بیماری کی صورت میں علاج معالجہ کو چھوڑ دیا تھا۔ تو اس سے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ یہ ترک علاج تو نقص کی بات ہے۔ اس لئے اگر علاج کا چھوڑنا سببِ کمال ہوتا تو رسول اللہ ﷺ بھی ایسا کرتے اس لئے کہ کسی بھی شخص کے توکل کی حالت نبی کے حال سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی"

روایات میں آتا ہے کہ ایک بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ کی بیماری میں ان سے عرض کیا گیا کہ ہم آپ کے لئے معالج کو بلائیں تو آپ رضی اللہ نے فرمایا کہ طبیب نے مجھے دیکھا ہے اور کہا ہے کہ جو میں چاہوں کر گزرتا ہوں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ سے کسی نے ان کی بیماری میں پوچھا کہ آپ رضی اللہ کو کس مرض کی شکایت ہے، انہوں نے فرمایا: گناہوں کے مرض کی، عرض کیا گیا: تو آپ رضی اللہ کس چیز کی خواہش رکھتے ہیں، فرمایا: مغفرت کی، لوگوں نے کہا: کیوں نہ ہم طبیب کو بلا کر لے آئیں، فرمایا: مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں، لوگوں نے ان سے عرض کیا: آپ رضی اللہ اس مرض کا علاج کرائیں، انہوں نے جواب دیا: میں ان کی پروا نہیں کرتا، لوگوں نے کہا: تب آپ اللہ تعالیٰ سے دعائے صحت کریں، فرمایا: میں اس سے اُس کی دعا مانگوں گا جو ان (آنکھوں کی بیماری) سے زیادہ ضروری ہے، میں نے ارادہ تو کیا تھا کہ کسی حکیم کو دکھادوں اور اس سے کوئی دوا لے لوں، مگر پھر عاد اور ثمود اور دوسری قوموں کا خیال آگیا، ان میں بڑے بڑے ماہر اور حاذق طبیب تھے، لیکن آج نہ طبیب موجود ہیں، نہ اور مریض باقی ہیں، نہ دوا کارگر ہوئی اور نہ جھاڑ پھونک ہی کام آئی"۔

امام غزالیؒ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ گو کہ علاج معالجہ سنتِ رسول ہے تاہم توکل کے مقام (امام غزالیؒ کی پیش کردہ توضیحات کے مطابق) پر فائز افراد کے لئے اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ وہ بیماری کی صورت میں علاج چھوڑ دیں۔

فقہی بصیرت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ بہر حال جب بیماری کی صورت میں متوکلین کو ترک علاج کی اجازت ہے تو علی الاطلاق فی نفسہٖ ترکِ علاج کا جواز خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔

ب: امام غزالیؒ کا فلسفہ اسباب:

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اسباب کے فلسفے پر بھی تفصیلی بحث کی ہے اور اسباب کی اختیار کرنے کے مقاصد پر حسب ذیل الفاظ سے روشنی ڈالی:

"سعي العبد باختياره إما أن يكون لأجل جلب نافع هو مفقود عنده كالكسب، أو لحفظ نافع هو موجود عنده كالادخار، أو لدفع ضار لم ينزل به كدفع الصائل والسارق والسباع، أو لإزالة ضار قد نزل به كالتداوي من المرض- فمقصود حركات العبد لا تعدو هذه الفنون الأربعةٍ، وهو: جلب النافع، أو حفظه، أو دفع الضار، أو قطعه"[40]

"بندہ اپنے اختیار سے جو کوشش کرتا ہے اُس کا دائرہ کار چار مقاصد تک محدود ہے، یا تو وہ کسی ایسی منفعت کے حصول کے لئے محنت کرتا ہے جو اس کے پاس موجود نہ ہو جیسے کسب، یا کسی ایسی منفعت کی حفاظت کے لئے محنت کرتا ہے جو اس کے پاس پہلے سے موجود ہو جیسے ذخیرہ کرنا، یا کسی ایسے ضرر کو دور کرنے کے لئے محنت کرتا ہے جو اس پر ابھی واقع نہیں ہوئی جیسے ڈاکوؤں، چوروں اور درندوں سے دفاع کے لئے کرتا ہے، یا کسی ایسی تکلیف کو

ٹالنے کے لئے کوشش کرتا ہے جو اس پر آچکی ہو جیسے علاج معالجہ بندے کی حرکات کا دائرہ کار ان چار مقاصد سے تجاویز نہیں کرتا یعنی جلب منفعت، حفظ منفعت، دفع مضرت اور قطع مضرت۔"

امام غزالیؒ کے الفاظ میں انسانی محنت وکاوش کا ایک اہم مقصد "ازالہ ضرر" بھی ہے جیسا کہ بیماری کی صورت میں علاج کرنا، تاہم آپ فرماتے ہیں کہ کئی ایک اسباب کی بناء پر باوجود اختیار علاج کے بھی علاج معالجہ کو چھوڑا جا سکتا ہے، انہوں نے ترکِ علاج کے درج ذیل اسباب بیان فرمائے ہیں:

السبب الأول أن يكون المريض من المكاشفين، وقد كوشف بأنه انتهى أجله، وأن الدواء لا ينفعه، ويكون ذلك معلوماً عنده تارة برؤيا صادقة وتارة بحدس وظن، وتارة بكشف محقق، ويشبه أن يكون ترك الصديق ﷺ التداوي من هذا السبب فإنه كان من المكاشفين، فإنه قال لعائشة ﷺ في أمر الميراث: إنما هن أختاك وإنما كان لها أخت واحدة ولكن كانت امرأته حاملاً فولدت أنثى، فعلم أنه كان قد كوشف بأنها حامل بأنثى، فلا يبعد أن يكون قد كوشف أيضاً بانتهاء أجله وإلا فلا يظن به إنكار التداوي، وقد شاهد رسول الله ﷺ تداوى وأمر به.[41]

پہلا سبب یہ ہے کہ مریض اہل کشف میں ہو اور اس پر بذریعہ کشف یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہو کہ اس کا وقت قریب آچکا ہے، اور اب کوئی دوا اُسے فائدہ نہیں دے گی۔ موت کا قریب ہونا بعض اوقات رویا صادقہ سے، کبھی غلبہ ظن سے اور کبھی حقیقت کشف سے معلوم ہو جاتا ہے۔ غالباً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ نے اسی لئے علاج نہیں کرایا تھا کہ آپ رضی اللہ صاحب کشف تھے، چنانچہ آپ رضی اللہ نے حضرت عائشہ سے میراث کے معاملے میں فرمایا کہ بے شک آپ کے ساتھ دو بہنیں شریک ہو گی حالانکہ اُس وقت حضرت عائشہ کی ایک بہن تھی لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ کی اہلیہ حمل سے تھیں جس سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ کو پیدائش سے پہلے ہی بذریعہ کشف یہ بات بتادی گئی تھی کہ لڑکی پیدا ہو گی، ہو سکتا ہے آپ رضی اللہ پر موت کا وقت بھی منکشف ہو گیا ہو، اور اسی بناء پر دواء کرنے سے منع کر دیا ہو، ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ رضی اللہ سرکار دو عالم ﷺ کو دوا استعمال کرتے ہوئے اور دوسروں کو اس کا حکم کرتے ہوئے دیکھیں اور خود انکار فرمادیں، حضرت ابو بکر الصدیق سے یہ امر بعید معلوم ہوتا ہے۔

السبب الثاني أن يكون المريض مشغولاً بحاله وبخوف عاقبته وإطلاع الله تعالى عليه، فينسيه ذلك ألم المرض، فلا يتفرغ قلبه للتداوي شغلاً بحاله، وعليه يدل كلام أبي ذر إذ قال: إني عنهما مشغول، وكلام أبي الدرداء إذ قال: إنما أشتكي ذنوبي، فكان تألم قلبه خوفاً من ذنوبه أكثر من تألم بدنه بالمرض.[42]

دوسرا سبب یہ ہے کہ مریض اپنے حال میں، خوفِ عاقبت میں اور اپنے حال پر اللہ تعالیٰ کے علم و اطلاع میں اس قدر مستغرق ہو کہ اُسے مرض کی تکلیف کا احساس ہی نہ رہے، اور ایسے حال میں مبتلا ہونے کے بعد اس کے قلب کو علاج کی توجہ ہی نہ ہو ایسی صورت حال پر حضرت ابوذر رضی اللہ کے اس کلام کی دلالت ملتی ہے کہ مجھے اپنی آنکھوں کے علاج کی فرصت نہیں ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ فرماتے تھے کہ مجھے گناہوں کا مرض لاحق ہے، اور ان کی وجہ سے دل کی تکلیف جسم کے مرض کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہے۔

السبب الثالث أن تكون العلة مزمنة، والدواء الذي يؤمر به- بالإضافة إلى علته- موهوم النفع جار مجرى الكي والرقية.[43]

تیسرا سبب یہ ہے کہ بیماری انتہائی پرانی ہو، اور اس کے لئے جو دوائیں تجویز کی گئی ہوں ان کی افادیت (یقینی نہیں بلکہ) وہمی ہو، جیسے داغ اور منتر کا فائدہ وہمی ہوا کرتا ہے۔

الرابع أن يقصد العبد بترك التداوي استبقاء المرض لينال ثواب المرض بحسن الصبر على بلاء الله تعالى أو ليجرب نفسه في القدرة على الصبر.[44]

چوتھا سبب بندے کی یہ خواہش ہو کہ اس کا مرض باقی رہے تا کہ وہ اللہ کی آزمائش پر صبر کر کے اجر و ثواب کا مستحق ہو، یا وہ اپنے نفس کا امتحان لینا چاہتا ہو اور یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو مصیبت اس پر نازل کی ہے اس میں وہ ثابت قدم رہتا ہے یا نہیں۔

السبب الخامس أن يكون العبد قد سبق له ذنوب وهو خائف منها عاجز عن تكفيرها فيرى المرض إذا طال تكفيرا فيترك التداوي خوفاً من أن يسرع زوال المرض فَقَدْ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تزال الحمى والمليلة بالعبد حتى يمشي على الأرض كالبردة ما عليه ذنب ولا خطيئة.[45]

پانچواں سبب یہ ہے کہ بندے کے سابقہ گناہ بہت ہوں، اور وہ ان سے خائف ہو اور اپنے آپ کو ان گناہوں کے ختم کرنے سے عاجز سمجھتا ہو، اس کے خیال میں اس گناہوں کے خاتمے کی ایک صورت یہی ہے کہ مرض طویل ہو جائے، اس لئے وہ اپنے مرض کا علاج نہیں کرتا کہ کہیں دوا کے استعمال سے مرض جلد زائل نہ ہو جائے۔

السبب السادس أن يستشعر العبد في نفسه مبادىء البطر والطغيان بطول مدة الصحة فيترك التداوي خوفاً من أن يعاجله زوال المرض فتعاوده الغفلة والبطر والطغيان أو طول الأمل والتسويف في تدارك الفائت وتأخير الخيرات.[46]

چھٹا سبب یہ ہے کہ اس کے نفس کو زیادہ دیر تک صحت مند رہنے سے کبر، غرور اور سرکشی کا خوف ہو، اس لئے وہ مرض کا علاج نہیں کراتا کہ کہیں مرض کے زوال کے بعد نفس میں غفلت، امید، عناد اور تکبر نہ پیدا ہو جائے، اور مافات کے تدارک کے لئے وہ لیت و لعل نہ کرنے لگے۔

مذکورہ بالا توجیہات کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ امام غزالی کی نگاہ میں بیماری کی صورت میں اختیار کے باوجود علاج معالجہ ترک کرنے کے اسباب میں درج ذیل اُمور شامل ہیں:

1. وہ بیماری مرض الوفات ہو کہ اس کی وجہ سے موت یقینی ہو اور یہ یقین سچے خواب، غلبہ ظن یا کشف کے ذریعہ سے حاصل ہو۔
2. اللہ تعالیٰ کا خوف اس قدر غالب ہو کہ مرض کی تکلیف کا احساس ہی باقی نہ رہے۔
3. بیماری اس قدر سخت ہو کہ دواؤں سے افادہ یقینی نہ ہو۔
4. بیمار کی نیت یہ ہو کہ بیماری کی وجہ سے اس کے گناہ دھل جائیں۔
5. بیمار اپنی بیماری پر صبر کا مظاہرہ کر کے صابرین کی صف میں شامل ہونا چاہتا ہو۔
6. صحت یابی ملنے کی صورت میں بیمار کو خود گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

خلاصہ بحث:

بعض مغربی اور یورپی ممالک میں مرگ ترحم کو قانونی جواز حاصل ہے۔ ان کے خیال میں مہلک مرض میں مبتلا مریض کے ساتھ حقیقی ہمدردی یہ ہے کہ اس کے حق میں اذیت ناک زندگی کی بجائے موت کا فیصلہ کر لیا جائے تا کہ اسے اور اس کے متعلقین کو پریشانی سے نجات دی جائے- تاہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مریض کو مہلک انجکشن یا تیز دوائی دے کر موت کی آغوش میں سلا دینے یعنی Active Euthanasia کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسلامی تاریخ میں ایسے حضرات کی ایک بڑی

تعداد کا تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے علم و فضل اور تقویٰ و پرہیز گاری میں ایک بلند مقام و مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود مخصوص حالات میں علاج کو ترک کرنا ہی بہتر سمجھا تھا اور ''رضا بالقضاء'' کا عملی نمونہ بن گئے تھے۔

بیماری کے دوران باوجود قدرت و اختیار کے ترک تداوی (علاج معالجہ کو چھوڑ دینے) کے بارے میں مضمون نگاروں کی نظر میں سب سے زیادہ وقیع بحث امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں کی ہے۔ آپ کی پیش کردہ توجیہات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ترک علاج کی گنجائش ہے، شعبہ طب سے وابستہ افراد اسے معاصر Passive Euthanasia کا تائیدی مواد قرار دے سکتے ہیں تاہم اسے فکر اسلامی کی روشنی میں قتل بہ جذبہ رحم یا رحم دلانہ موت کی بجائے رضا بر قضا یا خود سپردگی کے عملی مظاہرے کا عنوان دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

حواشی و حوالہ جات:

[1] The Definition of Euthanasia by Michael Wreen, *Philosophy and Phenomenological Research,* Vol. 48, No. 4 (Jun., 1988), pp. 637-653, Published by: International Phenomenological Society, DOI: 10.2307/2108012,Stable URL: http://www.jstor.org/stable/2108012.

[2] ایضا

[3] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب التعوذ من شر ما عمل، ومن شر ما لم یعمل، برقم 2720

[4] امام محمد بن محمد الغزالی(ولادت:450ھ، وفات:14 جمادی الثانی 505 ھ) کے حالاتِ زندگی ، علمی خدمات اور تصانیف (بشمول احیاء علوم الدین) کے لئے علامہ شبلی نعمانی کی علمی و تحقیقی تصنیف "الغزالی"(اردو) ملاحظہ فرمایئے جو مطبع معارف اعظم گڑھ سے 1928 میں شائع کی گئی اور پی ڈی ایف صورت میں www.besturdubooks.wordpress.com پر بہ سہولت ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور ڈاؤن لوڈ بھی کی جاسکتی ہے۔

[5] القرآن،29:4

[6] القرآن،195:2

[7] صحیح البخاري،کتاب الیمان والنذور، باب الیمین الغموس، دار طوق النجاة، 1422ھ

[8] ایضا،کتاب المغازی،باب غزوة خیبر.

[9] صحیح المسلم، کتاب الایمان،باب غلط تحریم قتل الانسان نفسہ،مکتبہ اشرفیہ دیوبند، 1999

[10] المرجع السابق،کتاب الجنائز،باب ماجاء فی قاتل النفس.

[11] أبو داود سلیمان بن الأشعث، سنن أبي داود،کتاب الجنائز، باب الامام لا یصلی علی من قتل نفسه.

[12] المرجع السابق،کتاب المرضَی، بَابُ تَمَنِّي المرِیض المَوْت.

[13] صحیح المسلم، کتاب الذکر ودعا والتَّوْبة والاستغفار،باب کراهة تمنّي الموت، دار إحیاء التراث العربي ، بیروت،سن اشاعت ندارد.

[14] مصنف ابن ابی شیبة، ج: 5، ص:31، حدیث 23419، ابوبکر عبد الله بن مُحَمَّد بن ابی شیبة العبسی (المتوفی: 235ھ)، مکتبة الرشد، الریاض، 1409ھ

[15] امام ابن قیم ،الطب النبوی، ،مطیع التوبجی التجاریة،قاهرة،1404ھ،ص:107

[16] مولانا جلال لدین عمری،اسلام اور مشکلات حیات،اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی ،جنوری 2013 ء،ص: 27۔

[17] قتل بہ جذبہ رحم اور دماغی موت فقہ اسلامی کی روشنی میں ،اسلامک فقہ اکیڈمی ،انڈیا،نئی دہلی ،2008 ء،ص:29۔

[18] مجموع الفتاوى، ج: 24، ص:269، كتاب الجنائز،تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني (المتوفى: 728هـ)،مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية،1995م.

[19] سنن الترمذي، ج: 4 ،ص: 383،ابواب الطب، باب ما جاء في الدواء والحث عليه،حديث 2038،محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى (المتوفى: 279هـ)،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي ،مصر،1975ء.

[20] سنن أبي داود، ج: 4 ،ص: 7، حديث 3874،كتاب الطب باب فى الادوية المكروهة،أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275هـ)، المكتبة العصرية، صيدا،بيروت .

[21] تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج: 6 ،ص: 32، عثمان بن علي بن محجن، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى: 743 هـ)، المطبعة الكبرى الأميرية،بولاق، قاهرة،1313 هـ.

[22] كتاب الكافي في فقه أهل المدينة، ج: 2،ص: 1142،أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى: 463هـ) ،مكتبة الرياض الحديثة، الرياض، المملكة العربية السعودية، 1980ء.

[23] الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، ج: 13، ص:426، حديث 6061، كتاب الطب،محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبد، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى: 354هـ) ،مؤسسة الرسالة، بيروت،1408 هـ - 1988.

[24] معالم السنن، ج:4 ،ص: 217، كتاب الطب، من كتاب الكى ، أبو سليمان حمد بن محمد بن إبراهيم بن الخطاب البستي المعروف بالخطابي (المتوفى: 388هـ) ،المطبعة العلمية،حلب، 1932ء.

[25] موطأ الإمام مالك، ج: 2 ،ص:943 كتاب العين، باب تعالج المريض، مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: 179هـ) ،دار إحياء التراث العربي، بيروت ،لبنان،1985ء.

[26] التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، ج:5، ص:264،أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (علامة ابن عبد البر)(المتوفى: 463هـ) ،وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية ، المغرب، 1387 هـ.

[27] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج: 14 ،ص:191، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676هـ)،دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1392**هـ**.

[28] زاد المعاد في هدي خير العباد، ج: 4 ،ص:15،محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية (المتوفى: 751هـ)، مؤسسة الرسالة، بيروت ،1994ء.

[29] كشاف القناع عن متن الإقناع، ج: 2 ،ص:269،منصور بن يونس بن صلاح الدين ابن حسن بن إدريس البهوتى الحنبلى (المتوفى: 1051هـ) ،دار الكتب العلمية؛ مجموع الفتاوى، ج:24،ص:269.

[30] مجموع الفتاوى، ج:21،ص:564.

[31] ايضا، ج:24،ص: 269، كتاب الجنائز.

[32] صحيح بخاري ،ج: 7، ص: 116 ،حديث نمبر 5652،صحيح مسلم ،ج:4 ،ص: 1994 ،حديث:2576

[33] نفس المصادر.

[34] فتح الباري شرح صحيح البخاري،ج:10 ،ص:115، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي،دار المعرفة، بيروت، 1379.

[35] نيل الأوطار، ج:8 ، ص:233،محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني اليمني (المتوفى: 1250هـ)،دار الحديث، مصر، 1993.

[36] احياء علوم الدين ،ج:4 ،ص:245 .

[37] نفس المصدر.

[38] نفس المصدر، ج:4 ،ص:259.

[39] نفس المصدر.

[40] نفس المصدر.

[41] نفس المصدر، ج:4 ،ص:287.

[42] نفس المصدر.

[43] نفس المصدر.

[44] نفس المصدر.

[45] نفس المصدر، ج:4 ،ص:288.

[46] نفس المصدر، ج:4 ،ص:289.